ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No2, 2024

فنون لطیفہ اور انسانی زندگی

Arts and human life

ڈاکٹر احمد عبداللہ قمر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج کروڑ، ضلع لیہ
ڈاکٹر نصیر احمد اسد
پی ایچ۔ڈی اُردو، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا
مہ جبین
پی ایچ۔ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، فیصل آباد کیمپس

Abstract:
From his very beginning human being is fond of aesthetics. His all senses want some new and special which give spiritual satisfaction. He enjoyed nature for this purpose for a long time and then he tried to alter the nature. He used some organs to produce heart touching sounds. In this way human being became a musician. He used colours and draw a scene of nature and thus he became a painter and artist. He tried to make a sculpture with mud or stone and called a mujassma saaz. Use of words in managed way make him poet and writer. For this purpose he took raw material from nature and presented situation and his craft which is reflection of nature also influenced the life. In this way these fine arts became benefitial also. So fine arts are not only for just enjoyment but these are fruitful also in any civilization's journey.

Key words: Fine arts, Fnoon e lateefa, moseeqi, musawery, mujasma saazi, iqbal, art, printing, doodling, shairi.

زندگی کو ایک بہتی ندی کہا جاتا ہے جو متاثر ہونے اور متاثر کرنے کی صلاحیت کی حامل ہے جیسے ایک ندی پہاڑی علاقے میں چلتی ہے تو شور و شغب سے بھرپور اچھلتی جھاگ اڑاتی، غصیلے انداز میں پتھروں سے سر پٹک پٹک کر اپنا راستہ بناتی ہے اور جب وہ میدان میں پہنچتی ہے تو اپنی وسعتوں کو پھیلا کر پر سکون ہو جاتی ہے رفتار دھیمی ہو جاتی ہے اور شور کم۔ یعنی وہ زمین کے سینے پر بہتے ہوئے اس جغرافیائی صورتحال سے متاثر ہوتی ہے اور اسے متاثر کرتی بھی ہے جہاں وہ رواں ہوتی ہے۔ اسی طرح فنون لطیفہ بھی انسانی زندگی سے اپنا خام مواد حاصل کرتے ہیں اور پھر جب اسے لوٹاتے ہیں اور کوئی فن پارہ تخلیق ہوتا ہے تو انسانی تخیل کی پرواز اس میں شامل ہو کے عام درجے سے اوپر اٹھا چکی ہوتی ہے۔ ساحر لدھیانوی لکھتے ہیں

ے دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

یہ لوٹایا ہوا مواد خام نہیں ہوتا بلکہ جیسے کچے لوہے کو مختلف مراحل سے گزار کر ایک خوبصورت کارآمد مشین کی شکل دے دی جاتی ہے اسی طرح معاشرے سے حاصل کردہ خام مواد انسانی تخیل میں سے گزر کر ایک ارفع شان سے ظہور پذیر ہوتا ہے اور انسانی زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ فن کے انسانی زندگی پر جو اثرات ہوتے ہیں ان کو جاننے سے قبل یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ فنون لطیفہ سے بالخصوص کون کون سے حواس متاثر ہوتے ہیں۔ اروِن ایڈمن کہتے ہیں

> فنون لطیفہ میں تجربے کی گہرائی یوں پیدا ہوتی ہے کہ محسوسات کی رفتار روک کر انہیں ایک مقام پر قائم کر کے دکھایا جاتا ہے۔ کسی تصویر کے رنگ اور صورتیں دیکھ کر یا کسی وائلن کی غنائی کیفیت سے متاثر ہو کر ہمارا بدن جیسے کپکپا اٹھتا ہے۔ دوسرے حواس بھی جمالیاتی طور پر کارفرما ہوتے ہیں لیکن لامسہ، ذائقہ اور شامہ تینوں باصرہ کی طرح ہمارے تصرف میں نہیں ہوتیں نہ ان قوتوں کو بآسانی فنون لطیفہ کے کوائف کا ذریعہ اظہار بنایا جا سکتا ہے کہ یہ قوتیں حیاتیات کے عملی پہلو سے بہ وجہ احسن مربوط ہیں۔ یوں کہنا چاہیے کہ فنون لطیفہ بیشتر باصرہ اور سامعہ سے کام لیتے ہیں کہ یہ حواس نہایت نفیس ہیں۔(۱)

اب یہ طے ہونے کے بعد کہ فنون لطیفہ میں بیشتر استعمال ہونے والے حواس سامعہ اور باصرہ ہیں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فنون لطیفہ کے انسانی زندگی پر کیا اثرات ہوتے ہیں گزشتہ میں پیش کیا گیا شعر زیادہ اظہار اسی بات کا کرتا ہے کہ فنکار زندگی سے متاثر ہو کر فن پارہ تخلیق کرتا ہے لیکن یہ فن پارہ حظ اندوزی کے علاوہ زندگی کے کوائف پر اثر انداز بھی ہوتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں

ے شاعرِ دل نواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اُس کے فیض سے مزرعِ زندگی ہری

تاہم اقبال برصغیر کے فنکاروں کے شاکی رہے کہ ان میں وہ ہنر نہیں جو ان کی خواہش کے مطابق انسانی زندگی کو متاثر کرے۔

ضرب کلیم میں شامل نظم "ہنروران ہند" ملاحظہ کیجئے

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا
ان کے اندیشہ تاریک میں قوموں کے مزار
موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں

زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بے زار
چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

گویا فن کا منصب مقامات بلند کا بیان ہے اور اگر فن ان سے انحراف کرتا ہے تو لائق تعریض ہے۔ اقبال فن کے اثرات سے کامل آگاہ تھے اس لیے انھوں نے اپنے فن کو ایک خاص مقصد کے لیے وقف کر دیا۔ البتہ فن جسمانی تقاضوں کی تسکین کرتا ہے یا روح کو ارفعیت آشنا کرتا ہے اقبال کا نظریہ فن دوسرے نقطہ نظر کا قائل نظر آتا ہے۔ ضربِ کلیم میں شامل نظم "فنون لطیفہ" ملاحظہ ہو

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصودِ ہنر سوزِ حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا
جس سے دل دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرہ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

طولِ کلام سے گریز کرتے ہوئے عرض ہے کہ ضرب کلیم میں مندرجہ ذیل نظمیں دیکھ لیجئے۔ "جلال و جمال"، "مصور"، "سرودِ حلال"، "سرودِ حرام"، "شعر عجم"، موسیقی"، "رقص و موسیقی"، "رقص" یہ تمام نظمیں اقبال کے نظریہ فن کی عکاس ہیں اور اس کثرت سے فن کے منصب پر لکھنا اس بات کا غماز ہے کہ اقبال انسانی زندگی پر فن کے گہرے اور دور رس اثرات سے بخوبی آگاہ تھے اور فن کار کو جگر کاوی کی تلقین کرتے تھے تاکہ وہ معاشرے کی درست تعمیر میں اپنا کردار ادا کر سکے۔ فن کا معاشرے کے لیے یہ منصب قدیم سے انسان کے پیش نظر رہا ہے۔ فن برائے فن اور فن برائے مقصد انسان کے قدیم نظریے ہیں جو فن کی افادیت کے حوالے سے اس کے سامنے رہے ہیں اور ہر دور میں دونوں نظریات کے حاملین موجود رہے ہیں اس کو باقاعدہ بحث کی صورت جدید دور نے دی ہے تاہم عمل کے اعتبار سے قدیم دور کے فن کار بھی ان پر عامل رہے ہیں۔ صاحبزادہ عبدالرسول لکھتے ہیں:

> مصری آرٹ کے اغراض و مقاصد سیاسی و معاشرتی حالات کے ساتھ بدلتے رہے۔ بحیثیت مجموعی یہ آرٹ اجتماعی قومی زندگی کی امنگوں کا ترجمان تھا۔ مصری آرٹ فن برائے فن کے نظریہ کی نمائندگی نہیں کرتا تھا اور نہ ہی وہ کسی مسئلہ پر ایک فرد کے ذاتی ردعمل کا اظہار تھا۔ اس کے باوجود کبھی کبھی ذاتی جذبات کی ترجمانی مثلاً پھول کے حسن یا کسی خوبصورت چہرے کی شعلہ روئی کا اظہار بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔(۲)

یاد رہے کہ مصری تہذیب اور آرٹ کا زمانہ، جسے وادی نیل کی تہذیب بھی کہتے ہیں 5000 ق م سے 525 ق م تک شمار کیا گیا ہے، آرٹ کے اعتبار سے اسے ابتدائی دور تصور کیا جاتا ہے اس لیے اس قدیم دور کا انسان فن کی معاشرے کے لیے افادیت سے بے خبر نہ تھا، حسن کا دلدادہ ہونے کی حیثیت سے وہ معاشرتی حسن کے لیے فنون کی اہمیت اور استعمال خوب سمجھتا تھا۔ بہت بعد میں پیش کیا جانے والا میتھیو آرنلڈ کا نظریہ کہ "شعر انتقادِ حیات ہے" قدیم انسان اس کا عملی اظہار کر رہا تھا۔ فن کے انسانی زندگی سے اثر پذیر ہونے اور فن کے انسانی زندگی پر اثر انداز ہونے کی انسانی بصیرت اتنی ہی قدیم دکھائی دیتی ہے جتنی خود انسانی تہذیب۔ فن انسان پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے اس سے متعلق محمد ہادی حسین لکھتے ہیں:

> فنون لطیفہ کا طریق کار یہ ہے کہ وہ حسی تجربے کی دنیا کا کوئی واقعہ کوئی منظر، کوئی شے، کوئی پہلو لے کر اسے کسی مجسمے، کسی تصویر، کسی نغمے، کسی شعر، کسی ادب پارے یا اسی قسم کی کسی اور تخلیق میں یوں مجسم کر دیتے ہیں کہ اس سے متعلق فن کار کا جو حسی، عقلی اور جذباتی تجربہ تھا وہ دوسرے لوگوں تک ان کی حسی، عقلی اور جذباتی استعداد کے مطابق منتقل ہو جاتا ہے اور جب یہ تجربہ منتقل ہوتا ہے تو دیکھنے سننے یا پڑھنے والے کو ان جذبات کے علاوہ جن کا محرک اصلی شے کا تصور ہوتا ہے (مثلاً خوشی، غم، ہمدردی، رحم، غصہ، نفرت، محبت) اپنی ہی قسم کا ایک لطف جسے جمالیاتی لطف کہتے ہیں محسوس ہوتا ہے۔(۳)

دنیا میں فنون کے ابتدائی نمونے

مصوری

انسان کی قدیم ترین پناہ گاہ غار رہے ہیں جن میں وہ موسم کی شدت سے بچتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ یہ غار اس کی سوچ اور اس کے ابتدائی فنکارانہ نقوش بھی اپنے اندر محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ غاروں میں تصاویر کے جو نمونے ملے ہیں ان سے جو تصویری داستان مرتب ہوتی ہے اسے نفیسہ قاسمی نے یوں بیان کیا ہے۔

1۔ Doodling : نرم مٹی میں بننے والے نشان جب انسان کے مشاہدے میں آئے تو غاروں کی دیواروں کی مٹی پر انگلیوں سے لائنیں لگا دیں۔

2۔ Printing : اس میں انسان نے ہاتھوں پر رنگ لگا کر غاروں پر ٹھپے لگائے۔

3 : Stenciling ہاتھ دیواروں پر رکھ کر ارد گرد سیاہی پھیر دی گئی۔ کئی غاروں میں ایسے نشانات ملے ہیں۔

4۔ Symbols : جانوروں کی تصاویر بنا کر ان کے ساتھ نقطہ، چوکور، شطرنج وغیرہ طرز کے نشانات بنائے گئے (یہ علامتی انداز تصویری رسم الخط کی ابتدا ہو سکتا ہے: راقم)(۴)

غاروں میں ایسی تصاویر بھی ملی ہیں جن میں جانوروں کے شکار کے منظر کو بیان کیا گیا ہے۔ ایسی تصویر سے یہ خیال عام ہے کہ انسان نے ابتدائی تصویریں جادوئی مقاصد کے لیے بنائیں تاہم اگر نفسیات کے پس منظر میں اس انسانی عمل کو دیکھا جائے تو لگتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو شکار کے مقصد کے لیے تیار اور زیادہ کامیاب بنانے کے لیے تصویری عمل سے گزر رہا تھا یہ تصویریں جن میں زیادہ تر انسان جانوروں کی تصویر کشی کرتا تھا اور انہیں شکار کرتے دکھاتا تھا اس کے مشاہدے اور تخیل کی مشترکہ پیش کش تھی ان میں وہ خود کو اور دوسرے دیکھنے والوں کو جانوروں سے آگاہی اور انہیں شکار کرنے کے طریقے سکھا رہا تھا تاہم چونکہ سیکھنے کے اس عمل سے شعوری طور پر آگاہ نہیں تھا اس لیے اسے جادو سے موسوم کرتا کہ اگر اس تصویر کو دیکھ کر شکار کرنے جایا جائے تو شکار میں کامیابی ہوتی ہے۔ انسان کی ابتدائی تصویری کاوشیں آج سے 32 ہزار سال قبل مسیح کی ہیں۔ ذوالفقار ارشد گیلانی لکھتے ہیں:

> جنوب مشرقی فرانس میں شوویٹ غاروں میں انسان نے دیواروں پر جانوروں کی تصویریں بنانی شروع کیں۔ 32 ہزار قبل مسیح میں بنائی جانے والی غالباً دنیا کی پہلی تصاویر ہیں۔ بعض جدید محققین کا خیال ہے کہ غاروں میں تصاویر کاری کا یہ فن جادوئی یا مذہبی مقاصد کے لیے تھا۔ کچھ کے خیال میں یہ تصاویر مغربی یورپ میں اوریگ نیشن کلچر سے وابستہ افراد نے 40 ہزار قبل مسیح میں بنائیں۔ (۵)

غاروں کے ساتھ ساتھ چٹانوں پر بھی تصویر کشی کا آغاز ہو گیا تھا۔ آسٹریلیا اور تسمانیہ میں چٹانوں پر تصویر کشی کا آغاز 30 ہزار قبل مسیح میں ہوا۔ یہ تصویریں دائروں، ہلالی شکلوں، لکیروں، انسانی قدموں اور جانوروں کے نقوش کی صورت میں تھیں۔ اسی اثنا میں انسان نے دیواروں پر کندہ کاری بھی شروع کی جسے پیلیو لیتھک افراد سے منسوب کیا جاتا ہے۔ (۶)

3800 قبل مسیح میں چینیوں نے برش سے تصویریں بنانے کا آغاز کیا۔

آرائشی برتنوں کو بھی فنون لطیفہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ برتنوں پر آرائش کے ابتدائی نمونے 6500 قبل مسیح کے بتائے جاتے ہیں جو میسوپوٹیمیا میں دریافت ہوئے اور یہ فن ترقی کرتا کرتا 4700 قبل مسیح میں اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ (۷)

موہن جوداڑو میں منقش برتن بننے کا آغاز 2500 قبل مسیح میں ہوا (۸)

موسیقی

موسیقی کا کائنات سے رشتہ اتنا ہی پرانا ہے جتنی یہ کائنات۔ کائنات میں پیدا ہونے والی پہلی آواز یقینی طور پر کسی نہ کسی ردھم میں ہو گی۔ یوں تو فنونِ لطیفہ کا تعلق ہی فطرت سے ہے تاہم آواز کا فطرت سے تعلق تو ظاہر و باہر ہے۔ پانی کے جھرنے جس صوتی آہنگ کو جنم دیتے ہیں وہ پرندوں کی آوازوں سے مل کر آرکسٹرا کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس میں درختوں کے پتے داد و تحسین بھری تالیوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور کائنات کی یہ فطری موسیقی انسانی ذہن کو آواز اور سُر سنگیت کا ابتدائی شعور دیتی ہے جو آگے بڑھتا ہوا ساز و آواز کی دنیا بسا تا چلا جاتا ہے۔ موسیقی کے حوالے سے ابتدائی نمونہ بیان کرنے سے قبل خود موسیقی پر کچھ بات کی جائے۔ مرزا سلطان احمد لکھتے ہیں:

> قدرت نے ہر شے اور ہر وجود اور ہر مادہ میں سُر اور باجہ کی قوت پیدا کر رکھی ہے۔ ہر چیز، ہر شے ہر وجود ضربات سے آواز دیتا ہے اور وہ آواز کوئی نہ کوئی رنگ لیے ہوتی ہے، ایک لکڑی کا کندا بجا کر دیکھو اوس میں سے بھی کوئی نہ کوئی آواز نکلے گی اور اس میں بھی کوئی جذب اور کوئی اثر ہو گا۔ چاہے وہ اثر دل کش اور دل ربا ہو اور چاہے کرخت اور دل خراش۔ (۹)

ساز و آواز کے حوالے سے قدیم ترین ساز ڈھول تصور کیا جاتا ہے 6000 قبل مسیح میں موراویا میں ڈھول کے ذریعے موسیقی کی ابتدا ہوئی (۱۰) بانسری اور بربط مصر میں 4000 قبل مسیح میں بنائے اور بجائے گئے (۱۱) برصغیر کی موسیقی کو خرم سہیل اپنے مضمون "سُر کتھا" میں تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو سہ ماہی فنون کے شمارہ نمبر ۱۳۷ میں موجود ہے

فن تعمیر

فن تعمیر کے حوالے سے ذوالفقار ارشد گیلانی لکھتے ہیں۔

> انسان نے خوبصورت لکڑی، چونے کے پتھروں اور جانوروں کی ہڈیوں سے اپنے لیے مکان بنانے شروع کیے۔ ان مکانوں کی بعض باقیات جمہوریہ چیک میں ڈولنی ویسٹونیس سے ملی ہیں جن کے بارے میں خیال ہے کہ یہ 30 ہزار قبل مسیح سے 25 ہزار قبل مسیح کے درمیان بنائے گئے۔ (۱۲)

قدیم ترین تعمیری باقیات اہراموں کی صورت میں اب تک موجود ہیں ان میں سب سے اہم خوفو کا اہرام ہے جو 2550 قبل مسیح کے لگ بھگ مکمل ہوا اور زیادہ شکست وریخت کا شکار نہیں ہوا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس اہرام میں استعمال ہونے والے پتھر کے بلاکس کی مجموعی تعداد 23 لاکھ ہے۔ ان پتھروں کا اوسط وزن ڈھائی ٹن کے قریب ہے جبکہ بعض پتھر 15 ٹن تک وزنی ہیں۔ اس کی اطراف کی لمبائی 230 میٹر ہے اس ڈھانچے کی مجموعی اونچائی 146.6 میٹر (481 فٹ) تھی لیکن اب یہ قدرے کم ہو گئی ہے۔(۱۳)

قریباً 13 ایکڑ رقبے میں پھیلا ہوا یہ قدیم تعمیراتی نمونہ دنیا کے قدیم عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے۔

سنگ تراشی(مجسمہ سازی)

عام خیال یہ ہے کہ سنگ تراشی کی بنیاد فن تعمیر کے بعد پڑی، تاہم اگر انہیں ہم عصر قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ غاروں کا کھودنا بیک وقت فن تعمیر اور فن سنگ تراشی کی ابتدا تھا تاہم پتھر کو آرائشی صورت دینے اور مجسموں کی صورت ڈھالنے کا کام یقیناً فن تعمیر جتنا قدیم نہیں۔ فن سنگ تراشی کی بنیاد کیوں پڑی کا جواب دیتے ہوئے مرزا سلطان احمد کے خیال میں اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں

۱۔ یہ خیال یادگار

۲۔ یہ خیال بت پرستی

یہی بڑے دو موجبات تھے جن کی بدولت دنیا میں سنگ تراشی کی بنیاد پڑی۔ جن قوموں میں یہ احساس زیادہ تر پائے جاتے ہیں ان ہی میں سنگ تراشی نے کمال حاصل کیا ہے۔ یونانیوں، روسیوں، ہندیوں اور مصریوں میں چونکہ ان خیالات کا زور تھا اس واسطے ان ہی کی گود میں اس فن نے پرورش پائی۔(۱۴)

شعوری طور پر سنگ تراشی کو اختیار کرنے سے پیشتر پہلے سے قدرتی طور پر پائے جانے والے مختلف اشیاسے ملتے جلتے پتھر کے نمونے انسان نے اکٹھے کیے اور انھیں سنبھالنے کے ساتھ ساتھ اس میں حسبِ خواہش کچھ تبدیلیاں بھی کیں۔ قدیم آثار میں ایسے پتھر انسانی آبادیوں یا انسانی ڈھانچوں کے پاس پڑے ہوئے ملے ہیں جو قدرتی طور پر ترشے ہوئے تھے اور کسی جاندار کی شکل کے مشابہ تھے۔ اس بات کو اگر فن تعمیر سے ملا کر دیکھا جائے تو بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ جیسے قدرتی رہائش سے گزر کر انسان مصنوعی رہائش تک پہنچا بالکل اسی طرح اس نے مجسمہ سازی بھی فطرت سے سیکھی اور پھر اس میں اپنی تخلیقی صلاحیت کا پیوند لگایا۔ نفیسہ قاسمی لکھتی ہیں:

> محققین کے مطابق سنگ تراشی کے لیے ایک اور چیز بھی انسان کو متاثر کرنے کا سبب بنی ہو گی اور وہ ہوں گے 'قدرتی پتھر' جو کسی نہ کسی جانور سے ملتے جلتے پائے گئے ہوں گے۔ اسی مشابہت کی وجہ سے انہوں نے انسان کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی ہو گی اور ایسے پتھروں کو اپنے پاس رکھ لیا ہو گا۔ بعد ازاں اس نامکمل شبیہہ کو مکمل صورت دینے کے لیے تراش خراش کی ضرورت بھی مناسب سمجھی گئی ہو گی اور یوں سنگ تراشی وجود میں آئی۔ غاروں کی کھدائی کے دوران ایسے بھی کئی چھوٹے چھوٹے پتھر ملے ہیں کہ کسی جانور سے مشابہت رکھنے کی وجہ سے انسانوں نے انہیں ان کی اصل صورت میں ہی اپنے پاس سنبھال لیا۔ یہ قدرتی اشکال کے حامل پتھر صرف قدرتی عمل کا نتیجہ تھے۔ ان کی بناوٹ میں کسی انسان کا فنکارانہ ہاتھ شامل نہ تھا، نہ ہی ان انتہائی قدیم ترین پتھروں پر تراشے جانے کے کوئی آثار تھے۔ دراصل قابلِ قدر انسانی تخلیقی عمل تو بعد میں شروع ہوا۔(۱۵)

پھر جب انسان اس فن میں تخلیقی صلاحیت کے ساتھ ملوث ہوا تو اس کی بصری اور لامسی جمالیات نے فن کے نادر نمونے تخلیق کیے۔ یورپ نے اس ضمن میں سٹیچو بنانے کے فن کو اپنایا جس کا مطلب ہے یادگار کے خیال سے زندہ یا مرے ہوئے لوگوں کے مجسمے بنانا۔ فنِ مجسمہ سازی میں دو موضوعات انسان کے بہت پسندیدہ رہے ہیں ان میں ایک تو جانور ہے اور دوسرا اہم موضوع عورت ہے۔ نفیسہ قاسمی نے مذکورہ بالا مضمون میں اس پر تفصیلی اظہارِ خیال کیا ہے۔

> مجسمہ سازی کے حوالے سے دیکھا جائے تو مٹی کے بت بنا کر آگ میں پکانے کا رواج بہت پہلے ہو چکا تھا۔ کاروان تہذیب (ص 48) کے مطابق 27 ہزار قبل مسیح میں ڈولنی ویسٹونیس (موجودہ جمہوریہ چیک) کے باشندوں نے انسانوں اور جانوروں کے مٹی کے بت بنا کر انہیں آگ میں پکایا جو وہاں سے دریافت ہوئے ہیں۔ تاہم پتھر میں بت تراشی کی قدیم مثال میمنس نامی فرعون کی ہے جس کی شبیہہ 2850 قبل مسیح میں چٹان پر کندہ کی گئی (ص 65) برصغیر میں قدیم ترین تہذیب کا علاقہ جسے وادی سندھ کہتے ہیں، میں خوبصورت مورتیاں بنانے کا آغاز 2500 قبل مسیح میں ہوا اور یہ نفیس پتھروں میں تراشی جاتی تھیں۔(۱۶)

جہاں تک اس فن کو فیشن کے طور پر اپنانے اور عام انسانی مجسمے بنانے کا تعلق ہے اس کا آغاز ایک خاص معاشرتی تبدیلی اور رجحان سے ہوتا ہے جب معاشرے میں انسان کو کچھ اہمیت ملنے لگی اور انسانی کارنامے زبان زد عام ہو کر معاشرے میں پھیلنے لگے تو نام ونمود کے طالب ذی حشم انسانوں نے مختلف فنون سے وابستہ لوگوں کی سرپرستی کر کے اپنے کارناموں کے ذریعے خود کو معروف اور محفوظ کرنا شروع کیا۔ تاہم اس کا ایک اور فائدہ فنون بالخصوص مصوری اور مجسمہ سازی کو ہوا کہ ان فنون کے روایت سے ہٹ کر نئے زاویے تلاش کیے گئے اور انسان کی خوبصورتی موضوع بننے لگی۔ ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں:

> اس رجحان کی وجہ سے دولت مند تاجروں نے مصوروں، مجسمہ سازوں اور ادیبوں اور شاعروں کی سرپرستی کی۔ مصوری اور مجسمہ سازی کے فنون نے فطرت اور انسان میں خوبصورتی کو تلاش کرنا شروع کیا اور اس کے اثر سے توازن، پیمائش، زاویے اور روشنی کے اثرات ان فنون میں آئے۔(۱۷)

مونالیزا کی تصویر جو لیونارڈو دونچی کا شاہ کار ہے ایک تاجر کی بیوی کی تصویر ہے جس کے بنوانے میں یقیناً یہی بقا اور اہمیت کا جذبہ کار فرما رہا ہوگا۔ فنون لطیفہ کی مشرقی روایت مشرقی ممالک میں فنون لطیفہ کی قدامت مغرب سے زیادہ ہے مشرق کو قدیم سے ہی علوم وفنون کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ کا حامل مانا جاتا ہے۔ مجنوں گورکھ پوری لکھتے ہیں

> جس زمانہ میں مغرب کی فضا پر تاریکی اور بربریت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی اس وقت بیش تر ممالک مشرق علوم ظاہری و باطنی اور فنون لطیفہ کی ضیاباریوں سے جگمگا رہے تھے۔ چنانچہ حضرت مسیح کی پیدائش سے سینکڑوں برس پہلے چین والے فنون لطیفہ کو معاشرت و اخلاق کی تہذیب کے لیے ضروری سمجھتے تھے اور ان کی ترقی و بہبود کے لیے ذرائع نکالنا حکومت چین اپنا فرض سمجھتی تھی۔ کنفیوشس جو چین والوں میں اب تک نبی مرسل سمجھا جاتا ہے اور جس کا زمانہ مسیح سے تقریباً چھ سو سال پہلے بتایا جاتا ہے اپنی کتابوں میں تہذیب نفس اور تزکیہ اخلاق کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ کی تعلیم دیتا ہے ۔فنون لطیفہ اور بالخصوص شاعری اور موسیقی کو وہ تہذیب نفس کا بہترین ذریعہ سمجھتا ہے۔ وہ خود بہترین مطرب تھا اور موسیقی کو نہ صرف دنیائے انسانیت کا منتہائے کمال سمجھتا تھا بلکہ وہ کہتا تھا کہ موسیقی ساری کائنات کی زبان ہے۔(۱۸)

فنون لطیفہ میں برصغیر کی برتری اور یورپ کے ساتھ موازنے کے حوالے سے مجنوں گورکھ پوری لکھتے ہیں۔

> ہماری بدنصیبی ہے کہ بدھ سے پہلے ہندوستان کی عمرانی اور تمدنی حالت کا تفصیلی اور قطعی علم ہم کو نہیں لیکن اس کے بعد کا ہندوستان بھی علوم وفنون میں اور ملکوں پر بھاری نکلے گا۔ چنانچہ بدھ کے زمانہ کی نقاشی اور سنگ تراشی کی بلاغت نے یورپ والوں کو بھی قائل کر رکھا ہے۔ ہومر، دانتے اور شکسپیئر کا دم بھرنے والے "مہابھارت" اور "رامائن" کی فوقیت کا اعتراف کرتے ہیں۔ "ایسکائلس" "سفوکلیز" اور "یوری پیڈیز" پر جان دینے والے "میگھ دوت" اور "شکنتلا" کا نام آتے ہی دم بخود رہ جاتے ہیں۔(۱۹)

فن کا تخلیقی رشتہ

فنون کی ابتدا کو دیکھا جائے تو انسانی ذہن میں کسی نادر خیال کا اچانک آجانا بیان کیا جاتا ہے اور اس کے ڈانڈے کشفی کیفیت سے ملائے جاتے ہیں۔ شاعری کو پیغمبری جیسی کیفیت قرار دیا جاتا ہے غالب کہتے ہیں

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

لیکن تھوڑا سا غور کیا جائے تو کھلتا ہے کہ ذہن میں آنے والا کوئی خیال بھی Baseless نہیں ہوتا اس کی بنیاد میں پہلے سے موجود کوئی بہت معمولی بات ہو سکتی ہے عین ممکن ہے کہ وہ شعور سے اتر کر تحت الشعور میں کہیں بیٹھی ہوئی ہو، فن کار کو یاد بھی نہ ہو کہ اس نے اسے کب دیکھا یا محسوس کیا تاہم شعور میں اُترنے والی کوئی چیز یا بات رائیگاں نہیں جاتی وہ محو ہوتے ہوتے بھی اپنا کچھ اثر وہاں چھوڑ جاتی ہے اور وہی اثر کبھی فن کار کے ارفع تخیل کے گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہے۔ یہ تو انفرادی شعور کی بات ہے اسی طرح کسی قوم، علاقے، ملک، مذہب، براعظم یا یہاں تک کہ پوری دنیا کے انسانوں کا ایک اجتماعی شعور بھی ہے۔ جس پر انفرادی شعور کی عمارت ٹکی ہوئی ہے یہ اجتماعی شعور عام طور پر محسوس نہیں کیا جاتا تاہم اس کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ Langue اور Parol کا نظریہ جیسے اور بہت سی چیزوں کو سمجھنے کے حوالے سے معاون ہے اسی طرح اسے انفرادی شعور اور اجتماعی شعور کو سمجھنے کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

فن کار کا تخیل چونکہ ارفعیت اور گہرائی ہر دو اعتبار سے ایک عام انسان سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس کی گرفت میں آنے والے خیالات عام انسانی ذہن سے ارفع اور گہرے ہوتے ہیں اس خیال کو تھرتھراہٹ قرار دیا جائے تو فنکار کے تخیل کی لہریں زیادہ دور تک جاتی ہیں۔ اسی لیے یہ خیال پیغمبری یا کشف، الہام، نوائے سروش وغیرہ قرار دیے گئے۔ افلاطون نے بھی جو یہ کہا تھا کہ شاعر پر شاعری کی دیوی کا سایہ ہوتا ہے تو وہ اسی بنیاد پر تھا، تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ یہ پروازِ تخیل کا فرق ہے جو عموماً پیدائشی ہوتا ہے اور اخذ و اکتساب اس میں مزید چمتکار پیدا کر دیتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی فن پارے کا تعلق فن کار کے انفرادی شعور اور معاشرے کے اجتماعی شعور سے ہوتا ہے۔ جس طرح انسانی زندگی ارتقا کی ایک مسلسل داستان ہے اسی طرح انسانی تخیل بھی ارتقائی اعتبار سے افقی اور عمودی دونوں اطراف مسلسل محو سفر ہے۔ اس لیے ہر نیا خیال اس ارتقائی سفر کا ایک سنگ میل ہوتا ہے۔ اگر فن کار اس فطری ارتقا سے جان بوجھ کر اعراض کرتا ہے اور ماضی سے چمٹنے کو بہتر جانتا ہے تو فنی ارتقا رک جاتا ہے۔ گردش ایام کو پیچھے کی طرف دوڑانے والے اس ارتقائی سفر سے محروم ہو کر اپنی قوم کے اجتماعی شعور میں ثبات و قیام یا بعض اوقات پسپائی کا سبب بنتے ہیں۔ روایت کا گہرا شعور رکھنے والے علامہ اقبال بھی یہ لکھے بنا نہ رہ سکے

آئین نو سے ڈرنا، طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

صاحبزادہ عبدالرسول لکھتے ہیں:

> جب فن اپنی تخلیقی تحریک ماضی سے حاصل کرنا شروع کر دے تو وہ بے جان ہو جاتا ہے۔(۲۰)

انسانی شعور کو ارتقا سے منسوب کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ماضی سے بھی رشتہ نہیں توڑتا اور مستقبل کی طرف بھی سفر کرتا ہے۔یوں روایت کا متحرک تصور اس ارتقا میں ہمہ وقت موجود رہتا ہے تاہم ہر روایت اپنی توانائی کے اعتبار سے طبعی زندگی پوری ہونے کے بعد رخصت ہو جاتی ہے۔یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے برف میں چلنے کے لیے لمبے لمبے بانس استعمال کیے جاتے ہیں مبادا برف کی کسی دراڑ میں گر پڑیں۔یہ بانس جتنا انسان سے آگے ہوتا ہے اُتنا ہی پیچھے بھی ہوتا ہے تاہم آگے بڑھنے کے عمل میں یہ مسلسل پیچھے سے منقطع ہوتا جاتا ہے اور آگے سے اپنا تعلق بڑھاتا چلا جاتا ہے اور یوں سفر جاری رہتا ہے۔انسان کا تہذیب اور فنون سے یہی رشتہ تخلیقی کہلاتا ہے اور یہ ایک فطری رفتار سے کبھی سست کبھی تیز ارتقا پذیر رہتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اروِن ایڈمن، فنون لطیفہ اور انسان، (مترجم، سید عابد علی عابد) لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۶۴ء، ص ۲۹

۲۔ صاحبزادہ عبدالرسول، تاریخ تہذیب انسانی، (اول)، سرگودھا، یونی ورسٹی آف سرگودھا، ۲۰۰۸ء، ص ۵۲

۳۔ محمد ہادی حسین، "کلچر اور فنون لطیفہ"، مشمولہ، کلچر، منتخب تنقیدی مضامین، مرتبہ، اشتیاق احمد، لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۷ء، ص ۲۹۸

۴۔ نفیسہ قاسمی، "رگِ سنگ"، مشمولہ، سہ ماہی فنون، شمارہ ۱۳۵، ص ۴۹۱

۵۔ ذوالفقار ارشد گیلانی، کاروانِ تہذیب، لاہور، علم دوست پبلی کیشنز، ص ۴۷

۶۔ ایضاً ص ۴۸

۷۔ ایضاً ص ۵۳، ۵۱

۸۔ ایضاً ص ۷۱

۹۔ مرزا سلطان احمد، فنون لطیفہ، لاہور، پنجاب یونین سسٹم پریس، ۱۹۱۲ء، ص ۱۳۴، ۱۳۳

۱۰۔ ذوالفقار ارشد گیلانی، کاروانِ تہذیب، ص ۵۲

۱۱۔ ایضاً ص ۵۴

۱۲۔ ایضاً ص ۴۸

۱۳۔ ایضاً ص ۶۹

۱۴۔ مرزا سلطان احمد، فنون لطیفہ، ص ۱۹۹

۱۵۔ نفیسہ قاسمی، "رگِ سنگ"، مشمولہ، فنون، شمارہ ۱۳۶، ص ۴۴۵

۱۶۔ ذوالفقار ارشد گیلانی، کاروانِ تہذیب، ص ۴۲

۱۷۔ مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور مذہبی تحریکیں، لاہور، تاریخ پبلی کیشنز، ۲۰۱۳، ص ۱۲۰

۱۸۔ صاحبزادہ عبدالرسول، تاریخ تہذیب انسانی، (سوم) سرگودھا، یونیورسٹی آف سرگودھا، جون ۲۰۱۱، ص ۲۲۶

۱۹۔ علی عباس جلالپوری، "آرٹ اور مذہب"، مشمولہ، ادبی دنیا، مئی ۱۹۴۳، ص ۲۷

۲۰۔ ایضاً ص ۲۶